قسط نمبر ۴

پاکستان میں اسلامی قانون کا مستقبل

(ملک محمد جعفر ایڈوکیٹ)

مضمون کی پہلی قسطوں میں ایک تو یہ بتایا گیا ہے کہ عملاً یہ ممکن نہیں ہے کہ ہماری عدالتیں اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ اور کتبِ فقہ کی تعبیر و تشریح میں کوئی قابلِ لحاظ آزادانہ روّیہ اختیار کر سکیں۔ دوسرے ہم مجبور ہیں کہ پاکستان میں مروجہ اسلامی قانون کی اصلاح اور اُس کے دائرۂ عمل میں توسیع کے مقاصد کے لئے زیادہ تر قانون ساز اداروں پر انحصار کریں۔ (مدیر)

ماضی میں راسخ العقیدہ علماء اور ملک کے اصلاح پسند حلقوں کے درمیان ایک یہ امر بھی موضوعِ بحث رہا ہے کہ آیا مختلف فرقوں کے متضاد فقہی قواعد میں باہم مفاہمت کی کوئی گنجائش ہے اور اگر ہے تو کس حد تک۔ عام طور پر علماء کا موقف یہ رہا ہے کہ فقہ کے اہم اصولی معاملات پر تمام فرقے متفق ہیں اور اختلاف صرف فروعی اور تفصیلی امور کے متعلق ہے۔ علماء کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اُن کے مخالفین جان بوجھ کر اختلافی اُمور کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں تاکہ انھیں اسلامی قانون کے متعلق آئین میں بیان کردہ مقصد سے گریز کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے۔

مختلف فرقوں کے فقہی احکام کے اختلاف کی نوعیت اور کمیت کا درست اندازہ کرنے کے لئے مناسب ہوگا کہ ان فرقوں کے شخصی قوانین کے متعلق چند نسبتاً زیادہ اہم شعبوں کے اختلافی مسائل کا ذکر کر دیا جائے۔ یہ مثالیں صرف دو بڑے فرقوں یعنی سنّیوں اور شیعوں تک محدود ہوں گی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اختلاف صرف ان دو فرقوں کے مابین ہے۔ حقیقت میں سنّیوں اور شیعوں کے علاوہ بعض دوسرے فرقے بھی ایسے ہیں جن کے جداگانہ فقہی مسائل ہیں۔ بلکہ خود سنّی اور شیعہ بھی بعض ذیلی فرقوں میں منقسم ہیں جن کو ایک دوسرے کے ساتھ کئی امور میں اختلاف ہے۔

تاہم فقہ کا ایک خاصہ اہم حصہ ایسا بھی ہے جس کے متعلق تقریباً تمام فرقوں میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ زیرِ بحث مسئلے کے متعلق ایک متوازن اور معروضانہ رائے قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے باہم اتفاق اور اختلاف دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے۔ اس لئے جو مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں،

اُن میں اختلافی مسائل کے ساتھ ساتھ مختصراً اُن اُمور کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ جن کے متعلق اُن میں اختلاف نہیں ہے۔

وراثت

فقہ کے تمام شعبوں میں غالباً وراثت ایک ایسا معاملہ ہے جس میں سنّی اور شیعہ فقہ کے قواعد میں ایک دوسرے سے اختلاف سب سے زیادہ واضح اور اہم نوعیت کا ہے۔

وراثت اور جانشینی کے بعض عمومی مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق یہ دونوں فرقے متفق ہیں۔ مناسب ہوگا کہ پہلے ان متفق علیہ اُمور کا ذکر کر دیا جائے۔ ہر دو فقہ میں متوفی کی تمام جائداد اُس کے ورثاء میں قابلِ تقسیم ہوتی ہے اور اس ضمن میں جائداد کے منقولہ یا غیر منقولہ اور اسی طرح جدّی یا خود پیدا کردہ ہونے کی بنا پر کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ جائداد کی تقسیم میں مختلف حق داروں کے تقابل میں بھی دونوں مکاتبِ فقہ ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ دونوں کے ہاں جائداد پہلے پہلے بعد دیگرے متوفی کی تجہیز و تکفین کے اخراجات، اُس کے قرضہ کی ادائیگی اور ایک تہائی کی قانونی حد تک وصیّت کا مطالبہ پورا کرنے پر صرف کی جاتی ہے اور اس کے بعد جو جائداد باقی بچے، وہ ورثاء میں اُن کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ کوئی فرقہ بھی کسی شخص کا کسی دوسرے کی جائداد میں پیدائشی حق یا حقِ بازگشت تسلیم نہیں کرتا۔ دونوں فرقے اس پر متفق ہیں کہ عورتوں کو اپنی جائداد میں اُسی طرح کے مکمل حقوقِ استفادہ و انتقال وغیرہ حاصل ہیں جیسے مردوں کو۔ لیکن جوں ہی ہم ان عمومی اصولوں سے آگے بڑھتے ہیں اور اس سوال کو لیتے ہیں کہ ورثاء کی فہرست میں کون کون سے رشتہ دار شامل ہیں، اور اُن میں سے کس کو کس کے مقابلے میں فوقیت حاصل ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل میں دونوں فرقوں کے درمیان واضح اور بنیادی نوعیت کے اختلاف ہیں۔

اس مضمون میں اس معاملہ کی فنی تفاصیل میں جانا بے محل ہوگا۔ ورثہ کے متعلق سُنّی اور شیعہ فقہ کے اختلاف کی وضاحت کے لئے یہ کافی ہوگا کہ یہاں چند مثالیں پیش کر دی جائیں۔ یہ مثالیں سر ڈی۔ ایف ملا کی مشہور کتاب "اسلامی قانون کے اصول" سے لی گئی ہیں۔

(۱) فرض کیجئے میّت کے پس ماندگان اُس کا ایک نواسہ اور دادی اور ایک حقیقی بھائی ہیں۔ اس صورت میں سُنّی قانون کے مطابق دادی کا چھٹا حصہ ہوگا اور باقی ۵/۶ بھائی کو ملے گا۔ متوفی کا نواسہ وراثت سے بالکل محروم رہے گا۔ اس کے برعکس اگر متوفی شیعہ فرقہ کا پیرو تھا تو اُس کی تمام وراثت کا حق دار

اُس کا نواسہ ہوگا۔ اور متوفی کی دادی اور اُس کے بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۲) فرض کیا ورثہ کے دعوے دار متوفی کی بھتیجی اور چچا ہیں۔ اس صورت میں سنّی فقہ کی رو سے چچا واحد طور پر تمام جائداد کا حق دار ہوگا اور متوفی کی بھتیجی محروم رہے گی۔ لیکن اگر وراثت شیعہ فقہ کے قواعد کے مطابق تقسیم کی جائے تو تمام جائداد بھتیجی کو ملے گی۔ میت کا چچا وارث نہ ہوگا۔

(۳) تیسری مثال۔ فرض کیا متوفی کے رشتہ دار اُس کے چچا کا لڑکا اور نانا ہیں۔ اس صورت میں اگر وراثت سنّی قاعدہ کے مطابق تقسیم کی جائے تو چچازاد بھائی واحد وارث ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں شیعہ فقہ کے مطابق تمام ورثہ نانا کو ملنا چاہیئے اور چچا کا لڑکا وارث نہیں سمجھا جائے گا۔

اُوپر کی مثالوں سے ایک بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ بالعموم سنّی فقہ کے مقابلہ میں شیعہ فقہ لڑکیوں اور ذوی الارحام کے حقوق کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ اگر ورثاء میں ایک طرف متوفی کی بیٹی ہے اور اس کے ساتھ دُور کے مثلاً دسویں پشت کے مرد یک جدی ہیں تو جہاں شیعہ فقہ کے مطابق تمام جائداد لڑکی کو ملتی ہے، وہاں سنّیوں کے ہاں ایسی صورت میں لڑکی ترکہ کے صرف نصف حصہ کی حق دار ہوگی اور باقی نصف یک جدی رشتہ داروں کو ملے گا۔

اختلافی اُمور کی چند اور مثالیں بھی قابلِ ذکر ہیں:۔

وراثت میں نمائندگی کے اصول کے بارے میں دونوں فرقوں کے اختلاف کی وضاحت کے لئے اوّل یہ تصریح ضروری ہے کہ یہ اصول دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو کسی شخص کا حقِ وراثت متعین کرنے کے لئے۔ اور دوئم یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اُس کے حصہ کی مقدار کس قدر ہے۔ اوّل الذکر معنی میں تو یہ اصول کسی فرقہ کے ہاں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ 'الاقرب فالاقرب' ایک ایسا اصول ہے جو دونوں مکاتب فقہ میں یکساں طور پر نافذ ہے۔ مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتہ وارث نہیں سمجھا جاتا اور یہ صورت سنّی اور شیعہ میں مشترک ہے۔ لیکن جہاں تک نمائندگی کے اصول کا دوسرا مفہوم ہے اس میں سنّی اور شیعہ فقہ کے قواعد باہم متخالف ہیں۔ سنّی فقہ میں کسی وارث کا حصہ متعین کرنے میں بھی اس اصول سے رجوع نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس شیعہ قانون میں ورثاء کے حصے مقرر کرنے میں نمائندگی کے قاعدے پر بحیثیت ایک عام اصول کے ہر صورت میں عمل کیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت ایک مثال کے ذریعہ بہتر طریق پر ہوگی۔ فرض کیا ایک شخص کا ترکہ اُس کے تین پوتوں میں تقسیم ہونا ہے، جن میں سے ایک متوفی کے ایک بیٹے سے ہے اور دوسرے دو ایک اور بیٹے کی اولاد ہیں۔

اس صورت میں اگر متوفی سنّی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا تو جائداد تینوں پوتوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگی۔ یعنی ہر ایک کا حصہ ایک تہائی ہوگا۔ لیکن اگر وراثت شیعہ قانون کے تحت بانٹی جائے تو نمائندگی کے اصول کے مطابق متوفی کے دو پوتے جو آپس میں بھائی ہیں، کُل جائداد کا نصف حصہ لیں گے، یعنی وہ حصہ جو اُن کے باپ کو ملنا تھا۔ اسی طرح تیسرا پوتا اپنے باپ کا قائم مقام تصور ہوگا اور جائداد کے نصف حصہ کا حق دار ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں پہلی صورت میں تینوں پوتوں کا حصہ باہم مساوی ہوگا۔ لیکن مؤخر الذکر صورت میں ایک پوتے کا حصہ نصف ہوگا اور دوسرا نصف دوسرے دو پوتوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگا (اب یہ بحث مسلم عائلی قوانین کے آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے تابع سمجھنی چاہیئے۔ اس آرڈی ننس کی رو سے شرعی قانونِ وراثت میں نمائندگی کے اصول کے بارے میں ایک اہم ترمیم کی گئی ہے۔ اس تبدیلی کا کچھ تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا جب اس عام سوال پر بحث کی جائے گی کہ ہمارے ملک میں مجالسِ قانون سازی کے ذریعہ اسلامی فقہ میں ترمیم کرنے کی کہاں تک گنجائش اور ضرورت ہے)۔

قتل کے مانع اِرث ہونے کی نسبت بھی سنّی اور شیعہ فقہ میں ایک حد تک اختلاف کی صورت پائی جاتی ہے۔ سنّی قانون کے مطابق جو شخص کسی کی موت واقع کرنے کا ذمہ دار ہو، وہ مقتول کے ترکہ میں وراثت کے حق سے محروم سمجھا جاتا ہے اور اس بارے میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آیا قانون کے نزدیک موت بمنزلہ قتلِ عمد ہے یا محض غلطی سے یا حادثہ کے طور پر واقع ہوئی ہے۔ اس کے برعکس شیعہ قانون میں ورثہ سے محرومی کا باعث صرف وہ قتل ہوتا ہے، جو بالارادہ واقع کیا جائے۔

اختلاف کی ایک عجیب مثال خاوند کی جائداد میں اُس کی بلا اولاد بیوہ کے حقِ وراثت کے بارے میں ہے۔ اولاد کی موجودگی میں بیوہ کے حصۂ وراثت پر دونوں فرقے متفق ہیں۔ اس صورت میں بیوہ کو خاوند کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملتا ہے خواہ متوفی سنّی ہو یا شیعہ۔ لیکن شیعہ فقہ میں بلا اولاد بیوہ کے حق وراثت کا انحصار جائداد کی نوعیت پر ہے۔ اس فقہ کے قواعد کے مطابق ایسی بیوہ خاوند کی صرف غیر زرعی جائداد میں حصہ پانے کی حق دار ہوتی ہے اور زرعی جائداد میں اُسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ سنّی فقہ کے نزدیک جائداد کی قسم بیوہ کے حقِ وراثت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی۔ اور اس قاعدے پر بلا استثنٰی عمل کیا جاتا ہے کہ خاوند کی تمام جائداد میں بیوہ اپنے حصہ کی حق دار ہے۔ خاوند کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں یہ حصہ ایک چوتھائی ہوگا اور اولاد کی موجودگی میں آٹھواں۔

بیوہ کے حقِ وراثت کے متعلق یہ اختلاف ایک غور طلب نکتہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فرقوں کے فقہ کے بہت سے قواعد کی تشکیل پر تاریخی اور مقامی عوامل کہاں تک اثر انداز ہوئے ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ بیوہ کا حصہ ایک ایسا معاملہ ہے جو نصِ قرآن سے متعین ہو چکا ہے:۔
"تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے باپ یا تمہارے بیٹے، کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والے ہیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ سے نصف حصہ ہے اگر اُن کی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر اُن کی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد۔ اور عورتوں کے لئے تمہارے ترکہ میں چوتھا حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیویوں کا آٹھواں حصہ ہوگا تمہاری وصیت اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔" (۱)

وصیت

وصیت کے متعلق فقہ کے چند اُمور ایسے ہیں جن میں دونوں فرقے باہم متفق ہیں۔ مثلاً وصیت کے اختیار اور جائداد کی قابلِ وصیت حد کے متعلق دونوں کے قواعد تقریباً ایک جیسے ہیں۔ گو یہاں بھی بعض تفصیلی اُمور میں کچھ اختلافات موجود ہیں۔ بہر حال عام قاعدہ جو متفق علیہ ہے، یہ ہے کہ ہر بالغ و عاقل مسلمان کو اپنی جائداد کی نسبت ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن وصیت کے دیگر معاملات کے متعلق دونوں فرقوں کے اختلاف واضح اور اہم نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے چند اختلافی مسائل بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

شیعہ فقہ میں مُوصی کی خودکُشی کے فعل سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وصیت اُس وقت کی گئی ہو جب مُوصی خودکُشی کے متعلق کوئی اقدام کر چکا ہو۔ مثلاً اُس نے زہر کھا لیا ہو۔ یا اپنے آپ کو کوئی دیگر جسمانی گزند پہنچا لیا ہو۔ لیکن اگر ایسا کوئی فعل عمل میں نہیں آیا تو محض خودکُشی کی نیت وصیت پر اثر انداز نہ ہوگی۔ اس کے مقابلہ میں سُنّی قانون کی رو سے خودکُشی کا وصیت کے جائز ہونے پر کسی حالت میں کوئی اثر نہیں ہوتا ——— سنّی فقہ کی رُو سے کسی ایسے شخص کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی جو مُوصی کا

---

(۱) سورہ النساء آیات ۱۱ و ۱۲۔

وارث ہو۔ شیعہ قانون یہ پابندی تسلیم نہیں کرتا۔

دونوں فرقوں کے ہاں یہ گنجائش موجود ہے کہ موصی کے ورثاء کی رضامندی سے ایک تہائی سے زیادہ حصہ کی وصیت بھی جائز ہو جاتی ہے۔ لیکن اس امر میں دونوں فرقوں میں اختلاف ہے کہ اس غرض کے لئے ورثاء کی رضامندی کس مرحلہ پر حاصل ہونی چاہیئے۔ سنیوں کے نزدیک اس بارے میں صرف وہ اجازت مؤثر تصور ہوتی ہے، جس کا اظہار موصی کی وفات کے بعد کیا جائے۔ گو اس مسئلے کے متعلق شیعہ فقہاء متفق نہیں ہیں۔ تاہم زیادہ مستند اور مقبول رائے یہ ہے کہ اگر موصی کی زندگی میں بھی اُس کے ورثاء وصیت پر رضامندی کا اظہار کر دیں تو یہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ حصہ کی نسبت بھی جائز ہو جائے گی۔ اور موصی کی وفات پر اُس کے ورثاء پر قابلِ پابندی ہوگی۔

سنی فقہ کے قاعدے کے مطابق موصی کی زندگی میں موصی لہٗ کے فوت ہو جانے کی صورت میں وصیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں وصیت کو نظر انداز کر کے تمام جائداد ورثاء میں قابلِ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس شیعہ فقہ کے تحت موصی لہٗ کی وفات کی صورت میں وصیت والی جائداد پر اُس کے ورثاء کا حق ہوگا۔

اگر وصیت ایک تہائی سے زیادہ حصۂ جائداد پر حاوی ہو اور موصی کے ورثاء اُس پر عمل کئے جانے پر رضامند نہ ہوں تو سنی فقہ کے قاعدہ کے مطابق وصیت کے تحت مختلف حق داروں کے حصص میں حسبِ تناسب کمی کر دی جائے گی۔ لیکن یہ اصول شیعہ فرقے کے قانون میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اُن کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں وصیت کے پہلے نامزد موصی لہٗ کے حق کو ایک تہائی کی حد تک پورا کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس حد کے اندر کوئی حصہ بچ جائے تو وہ دوسرے حق داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ھبہ

جائداد کے قوانین میں سے غالباً ہبہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کے قواعد کی نسبت دونوں فرقوں میں سب سے زیادہ اتفاق کی صورت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اختیارِ ہبہ اور جائداد جس کی نسبت ہبہ ہو سکتا ہے، ایسے اُمور ہیں جن کے اصولوں میں دونوں مکاتبِ فقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اِسی طرح ہبہ کی تکمیل کے لئے تبدیلیٔ قبضہ وغیرہ کی قسم کی قانونی ضروریات کے متعلق بھی دونوں فرقوں کے قواعد ایک جیسے ہیں۔ تاہم چند فروعی اُمور کے متعلق بعض اختلافات موجود ہیں۔

مثلاً سنّی قانون کے برخلاف شیعہ فقہ میں مشاع (۱) کا اصول تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس اصول کے تحت کسی قابلِ تقسیم جائداد کا ہبہ جائز نہیں ہوتا۔ ماسوائے اس کے کہ جائداد کو فی الواقع تقسیم کرکے ہبہ شدہ حصہ کو علیحدہ کردیا جائے۔ لیکن اس اختلاف کی اہمیت اب بہت کم رہ گئی ہے۔ کیونکہ عدالتوں کی طرف سے سُنّی قانون کے تحت بھی مشاع کے اصول کو کئی شرائط اور مستثنیات کے تابع کردیا گیا ہے۔

اسی طرح کا ایک اختلاف اُس ہبہ کے متعلق بھی ہے، جس میں موہوب الیہ ایک سے زیادہ اشخاص ہوں اور ہبہ مشترکہ طور پر اُن کے حق میں کیا جائے۔ سنّی فقہ کی رُو سے اس طرح کے ہبہ کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ ہبہ کے معاہدے کے ساتھ ہی متعلقہ جائداد موہوب الیہم میں اُن کے حصص کے مطابق تقسیم کردی جائے۔ اس کے مقابلہ میں شیعہ قانون مشترک ہبہ پر اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ مشاع کے اُصول کی طرح سنّی فقہ کا یہ قاعدہ بھی اب عملاً متروک ہوچکا ہے۔

اسلامی فقہ میں واہب کو بعض شرائط کے تابع ہبہ منسوخ کرنے یا اُس سے رجوع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس حقِ تنسیخ سے متعلق اکثر اُمور میں دونوں فرقے متفق ہیں۔ تاہم یہاں تین اختلافی مسائل کا ذکر کردینا مناسب ہوگا۔ اوّل، سنّی فقہ میں ایک استثنٰی یہ ہے کہ اگر واہب اور موہوب الیہ باہم محرم ہوں تو ہبہ منسوخ نہیں ہوسکتا۔ شیعہ قاعدے کے مطابق یہ استثنٰی تمام ذوی الارحام پر حاوی ہے۔ دوسرے، سنّی قاعدہ کے برخلاف شیعہ فقہ زوجین کے مابین ہبہ کو قابلِ تنسیخ قرار دیتا ہے۔ تیسرا اختلاف تنسیخ کی کارروائی کے متعلق ہے۔ سنّی فقہاء کے نزدیک ایک تکمیل یافتہ ہبہ کی تنسیخ کی غرض کے لئے عدالت سے ڈگری حاصل کرنا لازمی ہے شیعہ قانون کے مطابق ہبہ کو منسوخ کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ محض واہب کی طرف سے اس بارے میں اعلان کردینا کافی ہے۔

شفع

شفع کا حق دونوں فرقے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں دونوں میں اختلاف ہے کہ کون کون سے اشخاص کو شفع کا حق حاصل ہے۔ سنّی فقہ کے تحت یہ حق یکے بعد دیگرے تین طبقات سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو حاصل ہوتا ہے، یعنی اوّل وہ جو جائداد میں حصہ دار ہے۔ دوسرے جس کو اس جائداد میں کوئی حقوق

---

(۱) وہ جائداد جس میں دوسرے بھی شریک ہوں۔

آسائش حاصل ہیں اور تیسرے ملحقہ جائداد کا مالک۔ قانونی اصطلاح میں ان حق داروں کو بالترتیب شفیعِ شریک، شفیعِ خلیط اور شفیعِ جار کہا جاتا ہے۔

شیعہ قانون صرف پہلی صفت کے حامل اشخاص یعنی شرکاء کا حقِ شفع تسلیم کرتا ہے۔

نکاح

نکاح کے اختیار اور معاہدۂ نکاح کی بیشتر شرائط اور تفاصیل کے متعلق سنّی اور شیعہ فقہ کے قواعد تقریباً یکساں ہیں۔ اختلاف حسبِ ذیل اُمور میں ہے:۔

سنّی قانون میں معاہدۂ نکاح کو جائز کرنے کے لئے گواہان کی موجودگی ایک ضروری شرط ہے۔ اس کے علاوہ اس قانون میں گواہان کی اہلیت اور ان کی موجودگی میں کی جانے والی کارروائی کے متعلق بھی تفصیلی قواعد مقرر ہیں۔ اس کے برعکس شیعہ فقہ کے تحت معاہدۂ نکاح کی تکمیل کے لئے گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نکاح پرائیویٹ طور پر فریقین یا اُن کے ولیوں کی رضامندی سے عمل میں آئے تو اُس کے جواز پر محض گواہوں کی عدم موجودگی کی بناء پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سنّی فقہ میں مسلمان مرد کا کتابیہ یعنی عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح جائز ہے۔ شیعہ فقہ کی رُو سے ایسا نکاح ناجائز ہے۔

معاہدۂ نکاح میں اگر کوئی قانونی سقم ہو تو سنّی فقہاء کے نزدیک ایسے معاہدے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، جن کا انحصار متعلقہ نقص کی نوعیت پر ہوگا۔ نقص اس طرح کا بھی ہو سکتا ہے کہ اُس کی وجہ سے معاہدۂ نکاح مطلق ناجائز ہو۔ اس صورت میں اس معاہدہ کو بحیثیت نکاح باطل قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر معاہدے کا سُقم بنیادی اور مستقل نوعیت کا نہیں ہے بلکہ کسی ضمنی یا عارضی امر سے متعلق ہے۔ یا کسی ایسی روک کی وجہ سے ہے جو دُور ہو سکتی ہے تو ایسے معاہدہ کو قانونی اصطلاح میں فاسد نکاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح حسبِ ذیل اقسام کے نکاح فاسد کہلاتے ہیں:۔

(ا) نکاح جس کی کارروائی میں گواہ موجود نہ ہوں۔

(ب) چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں بیوی سے نکاح کرنا۔

(ج) کسی عورت سے اُس کی عدت میں نکاح کرنا۔

(د) ایسا نکاح جو فریقین کے مذہب کے اختلاف کی بنا پر ناجائز ہو۔

(۴) ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا جس کا موجودہ بیوی سے رشتہ اس نوعیت کا ہے جو قانون میں محرم تصور ہوتا ہے (ایک ہی جنس کے افراد میں محرم یا نامحرم ہونے کا فیصلہ ایک قانونی مفروضے کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ یعنی اس سوال کے ذریعہ کہ اگر وہ مختلف جنسوں سے تعلق رکھتے تو کیا اُن کا آپس میں نکاح جائز ہوتا؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو وہ دو افراد باہم نامحرم سمجھے جائیں گے اور بصورت دیگر محرم)۔

اس کے برعکس شیعہ فقہ میں فاسد اور باطل معاہدۂ نکاح کی تقسیم موجود ہی نہیں ہے۔ اس فقہ کے نزدیک کوئی معاہدۂ نکاح یا تو بالکل جائز ہوگا یا قطعاً ناجائز۔ اس طرح معاہدہ کی وہ قسمیں جو سُنّی فقہ میں فاسد نکاح کا درجہ رکھتی ہیں، شیعوں کے نزدیک قطعاً باطل اور غیر مؤثر ہیں۔

اسلامی قانون میں کسی فریقِ نکاح کے نابالغ ہونے کی صورت میں اُس کی طرف سے معاہدۂ نکاح میں رضامندی دینے کا اختیار نابالغ کے ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں گارڈین کے حق کے بارے میں دونوں فرقوں میں اختلاف ہے۔ سنّی فقہ میں یہ حق بالترتیب نابالغ کے والد، دادا، بھائی اور دیگر مرد رشتہ داروں کو اپنے حقِ وراثت کی تقدیم کے لحاظ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا مرد موجود نہ ہو جو نکاح کے لئے گارڈین بننے کا حق دار ہو تو پھر یہ حق ماں اور اُس کی عدم موجودگی میں دیگر اُن عورتوں کو جائے گا جو رشتہ کے لحاظ سے نابالغ کے لئے محرم ہوں۔ اس کے مقابلہ میں شیعہ قانون میں یہ حق صرف باپ، دادا اور اُن کی عدم موجودگی میں دُور کے اجداد کو حاصل ہوتا ہے۔

طلاق

طلاق کے متعلق سُنّی اور شیعہ فقہ میں اختلاف کی حسبِ ذیل مثالیں قابلِ ذکر ہیں:۔

سنّیوں کے ہاں طلاق السُنّت کے علاوہ طلاق البدعت کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر طلاق کی، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، کتاب اور سنّت میں کوئی سند نہیں ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک بدعت کی یہ طلاق ایسی ہی مؤثر اور قابلِ پابندی ہے جیسی کہ طلاق السنّت۔ شیعہ فقہاء کے نزدیک طلاق البدعت جائز نہیں ہے۔

طلاق کے موضوع پر ایک اہم اختلافی مسئلہ طلاق کی کارروائی کے بارے میں ہے۔ سُنّی قانون میں طلاق کے لئے کوئی خاص طریقِ کار مقرر نہیں ہے۔ طلاق زبانی بھی ہوسکتی ہے اور تحریری بھی۔ اور اس میں گواہوں کی موجودگی غیر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اگر طلاق کے الفاظ واضح اور عام فہم ہیں تو طلاق کی نیت کا ثابت کرنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر الفاظ مبہم ہوں تو نیت کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ ان تمام اُمور میں شیعہ فقہ کے قواعد مختلف

ہیں۔ شیعہ فقہاء کے نزدیک محض تحریر کے ذریعہ طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ پھر طلاق کے مخصوص الفاظ ہیں، جن کا اطلاق خاوند کی اپنی زبان سے ہونا لازم ہے اور اس موقع پر بیوی اور دو اہل گواہوں کی حاضری بھی ضروری ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا شیعہ فقہ کا یہ خاص مسئلہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے زیر غور بھی آچکا ہے (سید علی نواز گردیزی بنام لیفٹیننٹ کرنل محمد یوسف۔ پی۔ ایل۔ ڈی۔ سپریم کورٹ سال ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۱)۔ اس مقدمہ کے فیصلہ میں قرار دیا گیا کہ شیعہ قانون کے مطابق طلاق کے لئے متذکرہ بالا تفصیلی طریق کار پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

آخر میں اس موضوع پر غیر ارادی طلاق کے بارے میں دونوں فرقوں کے مسائل کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ شیعہ فقہ میں طلاق کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ خاوند عاقل و بالغ ہو بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ طلاق خاوند کے آزادانہ اور بالارادہ عمل کا نتیجہ ہے اور طلاق دیتے وقت خاوند ہوش و حواس میں تھا اور اپنے فعل کی نوعیت سے پوری طرح باخبر تھا۔ سنی فقہ کی رو سے طلاق کے قابلِ نفاذ ہونے کے لئے یہ شرائط ضروری نہیں ہیں۔ صرف یہ شرط ہے کہ خاوند عاقل و بالغ ہو۔ سنی قانون کے اس قاعدہ کی تائید کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ محمد اعظم خان بنام اختر النساء بیگم (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۵۷ء لاہور صفحہ ۱۹۵)۔

ولایت

گارڈین اینڈ وارڈز ایکٹ مجریہ ۱۸۹۰ء کے نافذ ہونے کے وقت سے نابالغاں کی تولیت سے متعلق بیشتر امور کا تصفیہ اس ایکٹ کی تصریحات کے مطابق ہوتا ہے اور ان معاملات میں اسلامی قانون سے براہِ راست رجوع کرنے کا کوئی موقع پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ خود ایکٹ گارڈین کی رُو سے یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ ولی کے تقرر میں نابالغ کے شخصی قانون کو کما حقہٗ ملحوظ رکھا جائے، اس لئے بعض دفعہ گارڈین کے مقدمات میں اور بالخصوص نابالغان کی حضانت کے بارے میں فریقینِ تنازعہ کے مذہبی قانون پر انحصار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اس موضوع پر سنی اور شیعہ فقہ کے صرف ایک اختلافی مسئلے کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

سنی قانون کے مطابق بیٹے کی صورت میں اُس کی سات سال کی عمر تک حضانت کے معاملہ میں ماں کو بچے کے باپ اور دوسرے رشتہ داروں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور بیٹی کے بارے میں ماں کا یہ حق لڑکی کے بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس شیعہ فقہ میں ماں کا یہ حق نسبتاً زیادہ محدود ہے۔ اس فرقہ کے قانون کی رو سے بیٹے کی صورت میں صرف دو سال کی عمر تک اور بیٹی کے متعلق اُس کی سات سال کی عمر تک حضانت کا حق ماں کو پہنچتا ہے۔ ——— (مسلسل) ———